اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

از
افادات حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ
مترجمہ جناب مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی

(۵)
مسئلۂ اجتہاد

اجتہادِ مطلق کی شرائط جاننا چاہیے کہ مجتہد مطلق وہ شخص ہوتا ہے جو پانچ علوم پر (جن کی تصریح آگے آتی ہے) دسترس رکھتا ہو۔ چنانچہ امام نووی اپنی کتاب "منہاج" میں لکھتے ہیں:-

"قاضی ہونے کی شرائط یہ ہیں کہ آدمی مسلمان ہو، عاقل اور بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عادل ہو، سماعت اور بصارت اور گویائی کی قوتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہو اور (آخری یہ کہ) مجتہد ہو۔

مجتہد ہونے کا معیار یہ ہے کہ:- (۱) وہ کتاب و سنت کے ان حصوں پر جن کا تعلق احکام سے ہے، گہری نظر رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ ان کے اندر کون سے نصوص خاص ہیں اور کون سے عام؟ کون نص مجمل ہے اور کون مبیّن؟ کون حکم ناسخ ہے اور کون منسوخ؟ (۲) (روایتی حیثیت سے) احادیث کے متعلق یہ علم رکھتا ہو کہ کون کون سی حدیثیں متواتر ہیں، اور کون احاد؟ کون حدیث متصل ہے اور کون مرسل؟ نیز یہ کہ کون راوی کس درجہ میں قوی یا ضعیف ہے؟ (۳) زبان عربی پر لغوی اور نحوی دونوں حیثیتوں سے عبور رکھتا ہو۔ (۴) علمائے صحابہ و تابعین وغیرہم کے اقوال کی بابت اس راز سے باخبر ہو کہ کون مسئلہ اجماعی ہے اور کون اختلافی؟ (۵) قیاس کی حقیقت

اور اس کی تمام اقسام کو جانتا ہو"۔

مجتہدین مطلق کی اقسام

اجتہاد مطلق کی شرائط جان لینے کے بعد دوسری چیز معلوم کرنے کی یہ ہے کہ مجتہد مطلق دو طرح کے ہوتے ہیں، "مطلق مستقل" اور "مطلق منتسب"۔

مجتہد مطلق مستقل اور اس کی خصوصیات

مستقل مجتہد وہ ہوتا ہے جس کے اندر حسب ذیل تین باتیں ایسے مخصوص رنگ کی پائی جائیں جو اس کو باقی تمام ارباب اجتہاد سے ممتاز کرتی ہوں، چنانچہ امام شافعی کے اندر تم ان صفات کو نمایاں طور پر محسوس کر سکتے ہو:

(۱) پہلی بات یہ کہ اُن اصول و قواعد میں، جن کے مطابق فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے، وہ بطور خود تصرف[1] کرے۔ امام شافعی نے اپنی مشہور تصنیف "الاُم" کے ابتدائی صفحات میں اس حقیقت کو اچھی طرح بے حجاب کر دیا ہے، جہاں انھوں نے اپنے پیشرو علماء کے کارنامۂ استنباط (وطریق اجتہاد) کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بعض اصولوں پر مخالفانہ تنقید کی ہے۔ نیز اس حقیقت کی شہادت امام موصوف کے اس قول سے بھی ملتی ہے جس کو مجھ سے میرے استاذ شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم مدنی نے، اور انھوں نے اپنے دو شیوخ، شیخ حسن بن علی عجیمی اور شیخ احمد نخلی سے، اور ان دونوں بزرگوں نے شیخ محمد علاء بابلی سے، اور انھوں نے شیخ ابراہیم بن ابراہیم لقانی اور عبد الرؤف طبلاوی سے، اور ان دونوں حضرات نے جلال ابو الفضل سیوطی سے، اور انھوں نے ابو الفضل مرجانی سے ــــ بطور اجازت[2] ــــ اور انھوں نے ابو الفرج غزّی سے، اور انھوں نے یونس بن ابراہیم دبوسی سے، اور انھوں نے ابو الحسن بن مقیر سے، اور انھوں نے فضل بن سہل اسفرائنی سے، اور انھوں نے حافظ حجت[3] ابو بکر احمد بن علی خطیب سے،

---

[1] "تصرف" کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مجتہدین نے اجتہاد و استنباط کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کو جوں کا توں قبول نہ کر لے، بلکہ اپنے طور پر ان میں ترمیم و تغیر کرے، اور اپنا ایک مستقل دستور اجتہاد ترتیب دے لے۔

[2] علمائے اصولِ حدیث کی زبان میں اجازت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ اپنے شاگرد کو کسی لکھی ہوئی حدیث کے روایت کرنے کی اجازت دے دے، خواہ زبانی طور پر یا تحریری طور پر۔

[3] "حافظ" سے مراد حافظ حدیث ہے۔ اور "حجت" الفاظ تعدیل میں سے ایک لفظ ہے۔ (مترجم)

اور انھوں نے حافظ ابونعیم سے، اور انھوں نے ابومحمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حدان سے، اور انھوں نے عبد اللہ بن محمد بن یعقوب سے، اور انھوں نے ابوحاتم یعنی رازی سے، اور انھوں نے یونس بن عبد الاعلیٰ سے، اور یونس بن عبد الاعلیٰ نے محمد بن ادریس یعنی خود امام شافعی سے نقل کیا کہ امام موصوف نے فرمایا:-

"اصل (سرچشمۂ ہدایت) قرآن اور سنت ہیں۔ لیکن اگر کسی معاملہ میں یہ دونوں خاموش ہوں تو ان (کے اصول اور نصوص صریحہ) کو سامنے رکھ کر قیاس کرنا چاہیے۔ اور (سنت کے متعلق اصول یہ ہے کہ) اگر کسی روایت کی سند اتصال کے ساتھ رسول اللہ صلعم تک پہنچتی ہو اور صحیح بھی ہو تو وہ سنت ہے۔ لیکن خبر مفرد کے مقابلہ میں اجماع زیادہ وزنی شے ہے۔ پھر (حدیث کا مطلب بیان کرنے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ تا حد امکان) اس کا ظاہری (اور متبادر) مفہوم لیا جائے، اور اگر ایک حدیث بہت سے معانی کا احتمال رکھتی ہو تو وہی معنی لینا زیادہ مناسب ہے جو حدیث کے ظاہری پہلو سے قریب تر ہو، اور اگر بہت سی حدیثیں ہم پلہ (اور باہم متعارض) ہوں تو سزاوار ترجیح وہ حدیث ہوگی جس کی سند سب سے زیادہ مضبوط ہو۔ (حجیت شرعی کی ترازو میں) منقطع حدیث کوئی وزن نہیں رکھتی، سوائے سعید ابن مسیب کی منقطع حدیثوں کے۔ کسی اصل (شرعی) کو کسی دوسری اصل پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، نہ کسی اصل کے بارے میں "کیوں" اور "کس طرح" کا سوال اٹھانا چاہیے۔ اس طرح کے سوالات صرف فروع میں اٹھائے جا سکتے ہیں (اور قیاس کی احتیاج بھی فروع ہی کو ہوتی ہے)، سو اگر (تحقیق کی نگاہ میں) کسی اصل پر کسی فرع کا قیاس صحیح اترتا ہو تو وہ فرع صحیح اور قابل حجت تسلیم ہوگی۔"

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ وہ مجتہد (ممکن حد تک) احادیث اور آثار کا ذخیرہ جمع کرلے اور ان کے احکام اپنے دائرۂ معلومات میں اچھی طرح سمیٹ لے۔ اس کو اس امر کا پورا پتہ ہو کہ کون کون سی حدیثیں فقہ کا ماخذ ہیں۔ پھر یہ کہ وہ مختلف روایات میں باہم تطبیق، اور ایک حدیث کو دوسری پر (دلائل کے ساتھ) ترجیح دے سکے۔ اور (اگر کسی حدیث کے کئی ایک معانی ہو سکتے ہوں تو) ایک

مفہوم کی تعیین کر سکے۔ (علمی نقطۂ نظر سے یہ استعداد اتنی بلند پایہ ہے کہ) ہمارے خیال میں یہ شے امام شافعی (جیسے جلیل القدر امام و مجتہد) کے قریباً دو تہائی سرمایۂ علمی کے برابر ہے۔

(۳) تیسری چیز یہ ہے کہ وہ ان نئے نئے فروعی مسائل کا اپنے اجتہاد اور استنباط سے جواب دے جو اس کے سامنے لائے جائیں اور جن کا اُس سے پہلے، یعنی ان تینوں زمانوں میں جن کے سراپا خیر و برکت ہونے پر زبان رسالت گواہی دے چکی ہے، جواب نہ دیا گیا ہو۔

الغرض ان تینوں امور میں وہ نمایاں حد تک تصرف رکھتا ہو اور اس معاملہ میں اپنے ہم سروں سے فائق، اور میدان مسابقت میں پیچھے چھوڑ کر کافی آگے نکل گیا ہو۔

ان سہ گانہ صفات کے بعد، انہی سے لگی ہوئی، ایک صفت خاص اور بھی ہے (جس سے ایک مجتہد مستقل سرفراز ہوتا ہے) اور وہ یہ کہ عالم بالا سے اس مجتہد کے لیے قبول عام کا نزول ہو (اور وہ اس شکل میں) کہ مفسرین، محدثین، علمائے اصول اور حفاظ کتب فقہ، گروہ کے گروہ، اس کے علم کی طرف جھک پڑیں، اور اس قبول عام اور مرجعیتِ انام پر مدتوں کی مدتیں گذر جائیں، یہاں تک کہ دلوں کے عمیق ترین گوشوں میں یہ حسن عقیدت مضبوطی سے اپنی جڑیں پھیلا لے۔

مجتہد مطلق منتسب مجتہد منتسب اس مجتہد کو کہتے ہیں جو (مذکورہ بالا تینوں صفات میں سے) پہلی صفت میں (بجائے خود کوئی اپنا مستقل مقام نہ رکھتا ہو بلکہ) کسی مجتہد مستقل کا پیرو ہو اور (اصول اجتہاد میں تصرف کرنے اور اپنی صوابدید سے اصول و ضوابط مرتب کرنے کے بجائے) اسی کے مقرر کیے ہوئے اصولوں کو جوں کا توں مان لیتا ہو۔ مگر دوسری اور تیسری صفت سے خود بھی متصف ہو، اور (ان امور میں اس کی تقلید اختیار کرنے کے بجائے) اسی کی طرح خود بھی اپنے مستقل کارنامے رکھتا ہو۔

مجتہد فی المذاہب (یہ دو قسمیں تو ان مجتہدین کی تھیں جن کو اجتہاد مطلق کا مرتبہ حاصل ہو، لیکن وہ شخص جو اس مرتبہ سے فروتر ہو لیکن اس کے باوجود شان اجتہاد رکھتا ہو اس کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں یعنی) وہ مجتہد جو پہلے اور دوسرے دونوں امور میں امام مجتہد مستقل (کے اقوال و نظریات اور اس کی تحقیقات) کا پابند رہتا ہے اور صرف تیسرے امر میں اپنی انفرادیت رکھتا ہے، یعنی امام مجتہد کے طریق تفریع پر خود

بھی مسائل کا استنباط کرتا ہے۔

آؤ، ہم ایک مثال دیں (تاکہ یہ مسئلہ اچھی طرح بے نقاب ہو جائے):

آج کل جو شخص طبابت کے میدان میں قدم رکھتا ہے وہ یا تو اطبائے یونان کی رہنمائی میں فرائض طبابت انجام دیتا ہے یا پھر اطبائے ہند کی رہنمائی میں۔ تو اُن پرانے اطبائے یونان و ہند کو بمنزلہ مجتہد مستقل کے سمجھو۔ (رہا یہ شخص، تو اس کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں) اگر وہ دواؤں کے خواص اور بیماریوں کی اقسام اور شربتوں اور معجونوں کے بنانے کی ترکیبوں سے پوری بصیرت کے ساتھ واقفیت رکھتا ہو ــــ اور وہ اس طرح کہ اس سلسلہ میں اطبائے قدیم نے جو کچھ ہدایتیں دی ہیں ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس فن کا خود رمز شناس ہو چکا ہو، یہاں تک کہ (اس کے اصول و نظریات اور اسرار و حقائق کا) تقلیدی طور پر نہیں بلکہ براہ راست علم یقین حاصل کر چکا ہو ــــ نیز اگر وہ انہی اطبا کی طرح خود بھی فنی کارنامے سرانجام دینے پر قدرت رکھتا ہو، یعنی یہ کہ ایسی دواؤں کے خواص معلوم کرے جن کے تذکرے سے اب تک کا پورا طبی لٹریچر خالی ہو، اور امراض کے ایسے اسباب اور علامات اور معالجات کا انکشاف کرے جن کی اب تک کسی طبیب نے نشاندہی نہ کی ہو، اور اگر وہ پرانے اطبا کی رایوں سے اختلاف بھی کرتا ہو (اور ان کو غلط ثابت کر کے ان کے مقابلہ میں اپنی رائیں پیش کرتا ہو)، خواہ یہ مخالفت چند ایک رایوں تک محدود ہو یا وسیع پیمانے پر ہو، تو ایسا طبیب بمنزلۂ "مجتہد مطلق منتسب" کے ہے۔ لیکن اگر اس کے برخلاف وہ ان تمام امور متعلقہ علم طب کو بغیر یقین کامل کے محض پچھلے اطبا کے کہنے کی وجہ سے مان لیتا ہے اور اس کے فکر و عمل کی سب سے اونچی معراج یہ ہوتی ہے کہ انہی کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق شربت اور معجون بنایا کرتا ہے، جیسا کہ آج کل کے اکثر طبابت پیشہ حضرات کا حال ہے، تو ایسے طبیب کی حیثیت "مجتہد فی المذہب" کی سی ہے۔

اسی طرح (ایک دوسری مثال لو۔) آج کل جو شخص بھی شعر کہتا ہے وہ فن شعر گوئی میں یا تو شعرائے عرب کی اقتدا کرتا اور ان کے اوزان و قوافی و اسالیب قصیدہ گوئی کو اختیار کرتا ہے، یا پھر

شعرائے عجم کی پیروی کرتا ہے۔ تو یہ شعرائے عرب وعجم بمنزلہ "مجتہد مستقل" کے ہیں۔ رہا یہ شاعر، تو اگر وہ (ان کی قائم کی ہوئی حدود میں ہی اپنی جولانی فکر کو مقید نہیں رکھتا بلکہ خود بھی) غزل، تشبیب، مدح، ہجو اور نصیحت (وغیرہ اصناف شعر) کی نئی نئی قسمیں ایجاد کرتا ہو، اور استعارات اور بدائع کا استعمال ایسے اچھوتے انداز سے کرتا ہو جس کی طرف ابھی تک کسی کا مرغ تخیل پرواز نہ کر سکا ہو، بلکہ شعرائے قدیم کی بعض صنائع شعری کو دیکھ کر اس کا ذہن خود بخود اس طرف منتقل ہوا ہو اور اس نے ایک چیز کو اس کی مشابہ چیز پر ڈھال لیا ہو یا ایک شئے کو دوسری شئے پر قیاس کر لیا ہو، پھر یہ کہ وہ کوئی ایسی بحر ایجاد کر سکا ہو جس میں اب تک کوئی نظم نہ کہی گئی ہو، یا دنیائے شعر و شاعری میں سخن گوئی کی کوئی نئی طرح ڈال گیا ہو، مثلاً مثنوی یا رباعی کا لکھنا یا ردیف کا التزام کرنا، یعنی کسی ایک ہی لفظ یا ایک سے زائد الفاظ کو ہر شعر میں قافیہ کے بعد لاتے رہنا، تو ــــــ بشرطیکہ یہ باتیں عربی شاعری میں کی گئی ہوں ــــــ ایسا شاعر (گویا عربی شاعری کا) "مجتہد مطلق منتسب" ہوگا۔ لیکن اگر یہ شاعر ایجاد و اختراع کے کارنامے نہیں رکھتا اور صرف ان پرانے شعرا کی بنائی ہوئی روشوں ہی پر چلا جا رہا ہے تو اس کا مقام "مجتہد فی المذہب" کا سا ہوگا۔ انھی مثالوں پر علم تفسیر اور علم تصوف و دیگر علوم (کے ماہرین) کو بھی قیاس کر لو۔

سلف نے اصول فقہ کی تدوین کیوں نہ کی؟

اس جگہ اگر تم یہ سوال کرو کہ ابتدائی دور کے علما نے اصول فقہ کے متعلق کوئی خاص اور تفصیلی گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ امام شافعی عالم ظہور میں آئے تو انھوں نے اس فن پر سیر حاصل، مفید اور پرمغز بحثیں کیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے سلف میں سے ہر ایک کے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ سب کا سب صرف اس کے اپنے ہی شہر والوں کی بیان کردہ احادیث و آثار پر مشتمل تھا، تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی روایتیں کسی کے پاس اکٹھی جمع نہ تھیں (اس لیے ان کو کسی بڑے پیمانہ پر مختلف اور متعارض روایات کی الجھنیں دور کرنے کی زحمتیں نہیں اٹھانی پڑتی تھیں اور) اگر کبھی ایسا ہوتا کہ اس کے شہر کی روایتیں ہی متعارض ہوتیں، جس کے باعث ایک مسئلہ کی دلیلوں میں تعارض واقع ہو جاتا تو (کسی مرتب اور متعین ضابطہ کے بجائے) وہ صرف اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے اس تعارض کا جو فیصلہ بن پڑتا، کر لیتا تھا

اس کے بعد، امام شافعی کے زمانہ میں (جب صورت حالات بدل گئی اور) تمام اطراف کی حدیثیں اکٹھی جمع ہوگئیں تو ان مختلف مقامات کی حدیثوں اور پھر وہاں کے فقہا کی رایوں میں (شدید قسم کا) تعارض واقع ہوا (اور وہ تعارض بھی ایسا) جو دو گونہ تھا، ایک تو وہ تعارض جو ایک مقام کی روایتوں اور دوسرے مقام کی روایتوں میں تھا، دوسرا وہ جو ایک ہی مقام کی مختلف روایتوں میں تھا۔ اور (اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ) بلا استثنا، تمام لوگوں نے اپنے اپنے شیوخ کی رایوں کی، جن کو انھوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق اختیار کیا تھا، حمایت شروع کردی۔ انجام کار اختلاف کا رخنہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا اور ملت کی پراگندگی حد سے تجاوز کر گئی اور اس کو اتنے اختلافات کے طوفان نے آن گھیرا جن کا کوئی شمار نہ تھا۔ لوگ اس طوفان کے زغہ میں حیران و ششدر کھڑے تھے اور اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے، یہاں تک کہ نصرت الٰہی نے آکر ان کی دست گیری کی اور امام شافعیؒ کے دل میں کچھ ایسے اصول و قواعد الہام فرمائے گئے جن کے ذریعہ انھوں نے مختلف اور متعارض حدیثوں میں تطبیق دے کے (اس طوفان اختلاف کو روک دیا اور) اپنے بعد والوں کے سامنے ایک عجیب و غریب راہ کھولدی۔

مذاہب چہارگانہ کی تاریخ اجتہاد تیسری صدی ہجری کے بعد امام ابوحنیفہ کے مذہب میں "مجتہدین مطلق منتسب" کے ظہور کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ علمائے احناف ہمیشہ سے علم حدیث کے ساتھ وابستگی کم رکھتے رہے ہیں، اور کوئی شخص مجتہد مطلق منتسب ہو نہیں سکتا تاوقتیکہ وہ ایک متبحر عالم حدیث نہ ہو۔ پس (تیسری صدی کے بعد) اس مذہب میں صرف مجتہد فی المذہب ہی ہوا کیے ہیں۔ اور اسی اجتہاد فی المذہب ہی کی طرف اشارہ تھا اس شخص کا جس نے یہ کہا تھا کہ مجتہد ہونے کی کم سے کم شرط یہ ہے کہ مبسوط یاد ہو۔

مذہب مالکی میں بھی "مجتہد مطلق منتسب" بہت کم ہوئے ہیں، اور جو لوگ اس مقام کو پہنچے بھی ان کی جداگانہ اجتہادی رائیں مذہب مالکی کے اقوال شمار نہیں ہوتیں، مثلاً قاضی ابوبکر ابن عربی اور علامہ ابوعمر، جو ابن عبدالبر کے نام سے مشہور ہیں۔

رہا مذہب حنبلی، تو اس کا پھیلاؤ پہلے بھی کچھ زیادہ نہ تھا اور نہ اب اس وقت ہے (لیکن اس کے

باوجودیہ ایک امر واقعی ہے کہ اس مذہب کے اندر برابر ہر دور میں مجتہد پیدا ہوتے رہے اور یہ سلسلہ نویں صدی ہجری تک پہنچ کر ختم ہوا۔ اور (پھر یہی وہ وقت ہے جب کہ) اکثر مقامات میں اس کے اقتدار کی جڑیں ہل گئیں (اور انجام کار وہ وہاں سے ناپید ہوگیا) ہاں مصر و بغداد میں ابھی کچھ پیرو اس کے ضرور موجود ہیں، مگر بہت تھوڑے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کو مذہب شافعی سے وہی نسبت ہے جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذہب کو امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ہے۔ ہاں ایک فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ ان کا مذہب مذہب شافعی کے ساتھ ضم کرکے مدون نہیں کیا گیا جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذہب کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تدوین امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تدوین سے ہم رشتہ ہے۔ ہمارے خیال میں یہی وہ بات ہے جس کے باعث مذہب شافعی اور مذہب حنبلی دونوں کو ایک مذہب نہیں شمار کیا گیا، ورنہ ایک ایسے شخص کے لیے، جس نے ان دونوں مذاہب کی گہرائیوں میں اتر کر ان کو اپنی حقیقی شکل میں دیکھا ہو، انھیں ایک مذہب کی حیثیت سے مدون کر دینا چنداں دشوار نہیں۔

اب مذہب شافعی کو لو۔ (یہ مذہب اس حیثیت سے تمام مذاہب میں ممتاز ہے کہ) اوروں کی بہ نسبت اس میں مجتہد مطلق اور مجتہد فی المذہب زیادہ ہوئے ہیں۔ اسی طرح علمائے اصول و ارباب علم کلام اور مفسرین قرآن و شارحین حدیث کی کثرت میں بھی کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پھر اس لحاظ سے بھی وہ نمایاں خصوصیت کا مالک ہے کہ اس کی روایتیں اور سندیں دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں، اس کے امام کے اقوال زیادہ صحت کے ساتھ منضبط ہیں، امام مذہب کے اقوال کو اصحاب وجوہ کے اقوال سے ممیز کرکے بیان کرنے اور (مذہب شافعی کے مختلف اقوال و آرا میں سے) ایک قول اور رائے کو دوسرے پر ترجیح دینے میں زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے۔ ان حقائق سے کوئی بھی ایسا شخص بے خبر نہیں، جس نے ان تمام مذاہب کا تحقیقی مطالعہ کیا ہو اور ان کے پیچھے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ گزارا ہو۔

امام شافعی کے ابتدائی تلامذہ سب کے سب مجتہد مطلق (منتسب) تھے۔ ان میں کوئی بھی ایسا

نہ تھا جس نے امام مذکور کے تمام مجتہدات میں ان کی تقلید کی ہو۔ یہاں تک کہ ابن سُریج کا زمانہ آیا اور انھوں نے تقلید اور تخریج کے قواعد مرتب کیے۔ پھر ان کے شاگرد آئے اور وہ اسی راہ پر چلتے رہے جو ابن سریج تیار کر گئے تھے۔ اسی بنا پر ان کو اُن مجددین میں شمار کیا جاتا ہے جن کے ہر صدی کے آغاز میں پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

پھر اس شخص سے (جس نے تمام مذاہب کا مسلسل تحقیقی مطالعہ کیا ہو) یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جن احادیث اور آثار پر مذہب شافعی کی بنیاد ہے، وہ باقاعدہ مدوّن ہیں، سارے اہل علم ان سے بخوبی واقف ہیں اور انھوں نے ان کی خدمتیں کی ہیں ــــ یہ ایک ایسا خصوصی شرف ہے جو کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ــــ چنانچہ مذہب شافعی کی بنیادوں میں سے ایک کتاب مُوطّا ہے، جو اگرچہ امام شافعی سے پہلے کی ہے مگر امام موصوف نے اپنے مذہب کے لیے اس کو بنیاد قرار دیا۔ اسی طرح ان کے مذہب کی بنیادی کتابیں ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی۔ پھر مُسند شافعی، سنن نسائی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی اور امام بغوی کی شرح السنۃ۔ ان میں سے (صحیح بخاری کے مولف) امام بخاری اگرچہ شافعیت کی طرف منسوب، اور اکثر فقہی مسائل میں امام شافعی کے ہم نوا ہیں مگر پھر بھی بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کے وہ اقوال و مسائل، جن میں وہ تنہا ہیں (اور تمام شوافع کے خلاف رائے رکھتے ہیں) مذہب شافعی میں شمار نہیں ہوتے۔ اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی مجتہد منتسب ہیں جن کا انتساب امام احمد و امام اسحاق کی طرف ہے۔ ابن ماجہ اور امام دارمی بھی، ہمارے خیال میں یہی حیثیت رکھتے ہیں۔ باقی رہے امام مسلم اور امام ابوالعباس اصم، جنھوں نے مسند شافعی اور کتاب ”الاُمّ“ کے جمع و ترتیب کی خدمت انجام دی ہے، نیز وہ حضرات، جن کا اوپر مسند شافعی کے ذکر کے بعد نام آیا ہے، تو یہ سب لوگ اپنا جداگانہ مسلک اور شافعیت سے آزاد راہ رکھنے والے ہیں، جن کے اپنے مستقل اصول، جو مذہب شافعی کے اصولوں سے کافی تفاوت رکھتے ہیں)

اگر ہماری اس تقریر کا ٹھیک ٹھیک مدعا تمھاری سمجھ میں آگیا ہوگا تو تم پر یہ حقیقت روشن ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اجتہاد مطلق کی سعادت سے بے بہرہ ہے وہ شخص جو مذہب شافعی کا دشمن ہو، اور حدیث کا علم انکاری ہے اس بدنصیب کی خیر سگالی سے جو شافعی اور اصحاب شافعی (کے فیض علمی) سے بے نیاز ہو۔

وَكُنْ طُفَيْلِيَهُمْ عَلٰى أَدَبٍ فَلَا أَرىٰ شَافِعًا سِوَى الْأَدَبِ

ادب کے ساتھ ان کا دامن پکڑ لو ادب ہی اس مقصد میں تمھارا سفارشی ہو سکتا ہے۔

نوٹ: ابھی اس رسالہ یعنی "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے آخری باب کا ترجمہ باقی رہ جاتا ہے لیکن چونکہ اس باب کا ترجمہ کسی قدر اختلاف بحث و اختلاف ترتیب کے ساتھ آج سے سات برس قبل ترجمان القرآن جلد ۱۲ عدد ۳، ۴، ۵، ۶ میں دیا جا چکا ہے، اس لیے اب یہاں اس کو دوبارہ دینا مناسب نہیں۔ اگر اس پورے مضمون کو یکجا کر کے رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کی نوبت آئی تو اس وقت اس باب کو بھی شامل کر دیا جائے گا۔

(مترجم)

حقیقت نماز

از

مولانا امین احسن اصلاحی

رسالہ "الاصلاح" سرائیمیر اعظم گڈھ، میں مولانا نے "نماز" کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین لکھا تھا جس میں قرآن و سنت کی روشنی میں نماز کی اصل حقیقت بے نقاب کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ نماز ہی دین کا نقطۂ آغاز اور اس کی اصل روح ہے۔ یہ بصیرت افروز مقالہ مولانا کی نظر ثانی کے بعد اب کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جماعت اسلامی، دار الاسلام، پٹھان کوٹ (پنجاب)